عصری مسائل کے شرعی حل میں اصولِ استحسان سے استفادہ

(Use of the principle of *Istiḥsān* in the *Sharī'ah* legitimacy of Contemporary Issues)

Dr. Arshad Ali

Head Department of Islamic Studies, Leaders College Phalia, Mandi Bahauddin

Dr. Aijaz Ali Khoso

Assistant Professor, University of Sufism & Modern Sciences, Bhit Shah, Sindh

Dr. Mohammad Tayyab Khan

Lecturer Islamiat, Govt. Post Graduate Boys College Bagh, Azad Kashmir

Abstract

Islamic law has number of sources. Basic sources are Qur'ān and *Ḥadīth*, while *Ijmā'(*scholarly consensus), *Qiyās* (analogical reasoning), *Istiḥsān* (juristic preference), *Ijtihād* (independent reasoning), *Istiṣlāḥ* (public interest) *Istiṣḥāb* (presumption of continuity), and *'Urf* (common sense) are secondary sources. This paper studies the use of the principle of *Istiḥsān* in the *Sharī'ah* legitimacy of Contemporary Issues. *Istiḥsān* is used to resolve the issues based on human needs and expedients in cases when apparent analogy or common rules do not correspond with the universally accepted purposes of *Sharī'ah.* In such cases, the apparent analogy is left to adopt a way that corresponds to the objectives of *Sharī'ah.* This process is known as *Istiḥsān* (juristic preference). The new order is declared *Ḥasan* or *Mustaḥsan* which may increase the public welfare and remove the harm

and which may become harmonious to the divine wisdom. The Paper finds that Islamic jurisprudence is not a collection of strict rules which cannot present solution of new queries in the changing circumstances. It is fully capable of fulfilling religious and social needs of the people in all situations. Principle of *Istiḥsān* has the capacity to present solution of different human questions that appear due to change of time and place.

Keywords: Islamic Jurisprudence, sources, *Istiḥsān,* contemporary issues

تمہید

عمومی قواعد یا قیاس جلی کے حوالے سے انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں پر مبنی مسائل حل کرنے کی صورت میں یاجب عمومی احکام، عمومی نصوص یا قیاسِ ظاہر پر عمل کرنے سے مقاصدِ شریعت میں سے کوئی مقصد متاثر ہورہاہو، جیسے ضرر، مشقت اور حرج کا یقینی وقوع، تواِس صورت میں عمومی قواعد سے ہٹ کر یا عام اُصول وضوابط سے استثنٰی پیدا کرکے متبادل اقویٰ شرعی دلیل پر عمل کرکے حکم اخذ کیاجاتاہے، وہ متبادل دلیل کبھی نص، کبھی اجماع، کبھی اثر یعنی قولِ صحابی، کبھی ضرورت، کبھی عرف، کبھی مصلحت، کبھی قیاس خفی اور کبھی مراعاۃ خلافِ العلماء وغیرہ ہوتی ہے، توایسی صورت کو استحسان کہتے ہے۔استحسان کے اس مفہوم میں استحسان کی یہ تمام اقسام شامل ہو جاتی ہیں: (1)استحسان بالنص (2)استحسان بالاجماع (3)استحسان بالقیاس الخفی (4)استحسان بالضرورۃ،[1] (5)استحسان بالعُرف (6)استحسان بالمصلحہ، (7) استحسان بالیسیر[2] (8) استحسان مراعاۃِ خلافِ العلماء۔[3] اہلِ علم قیاس سے تو عموماًجدید فقہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں لیکن قیاس سے بھی زیادہ مضبوط مآخذ "استحسان" کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔سطورِ ذیل میں اس تناظر میں چند اہم عصری فقہی مسائل میں اصول استحسان سے استفادے کی مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

---

[1] اِبو عبد اللہ شمس الدین محمد بن محمد ابن اِمیر حاج، التقریر والتحبیر (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، 1403ھ)، فصل تقسیم القیاس باعتبار التفاوت فی القوۃ إلی جلی وخفی، 3:223۔

[2] إبراہیم بن موسی الشاطبّی الغرناطی، الاعتِصام (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ: دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع، الطبعۃ: الأولی، 1429ھ)، الباب الثامن، فی الفرق بین البدع والمصالح المرسلۃ والاستحسان، 3:48۔

[3] إبراہیم بن موسی بن محمد الشاطبّی، الموافقات (القاہرۃ: دار ابن عفان، الطبعۃ: الطبعۃ الأولی 1417ھ)، الطرف الأول: فی الاجتہاد، 5:106۔

عملِ طہارت میں پیوست مصنوعی دانتوں ، ناک، کان ٹانگوں وغیرہ سے متعلق حکم

اگر کسی شخص نے منہ میں مصنوعی دانت لگائے ہوئے ہوں تو وضو اور غسل کے وقت ازروئے قیاس فرض کی تکمیل کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اُن مصنوعی دانتوں کو علیحدہ کرکے کلی کرے، بصورت دیگر منہ میں صحیح طور پر پانی نہ پہنچنے کے سبب وضو اور غسل کی ادائیگی درست نہ ہوگی [4]۔ قیاس کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: " وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا " [5] اور اگر تمھیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو۔" اِس آیت کریمہ کی رو سے ازروئے قیاس سارے جسم کا تر ہونا اور منہ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے، لیکن اگر مصنوعی دانت منہ میں مستقل طور پر پیوست ہیں اور اُن کو علیحدہ کرنے میں مشقت ہوتی ہو، تو ایسی صورت میں ازروئے استحسان اِس بات کی گنجائش ہے کہ اُنھی دانتوں کے ساتھ منہ میں پانی پہنچایا جائے، یعنی کلی کی جائے۔ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ منہ کا کوئی حصہ دھوئے بغیر نہ رہے ورنہ غسل نامکمل ہوگا۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ انسان بقدرِ وسعت مکلّف اور ذمہ دار ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:" وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا " [6] اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت بھر۔" اِس سے زیادہ ذمہ داری اُس کے لیے تنگی اور حرج کا باعث بنتی ہے، جس کا شریعت نے دفعیہ کیا ہے، جیسا کہ فرمایا:" يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ " [7] اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔" چونکہ پیوست دانتوں کو علاحدہ کرنے میں مشقت اور حرج کا پہلو غالب ہے، لہٰذا غسل میں اُن کے ساتھ ہی منہ میں پانی ڈال لینا یعنی کلی کرنا کافی ہے اور دانتوں کی تہہ تک پانی پہنچانا ضروری نہیں، جیسا کہ آنکھوں کے اندر پانی پہنچانا ضروری نہیں۔ چنانچہ علامہ مرغینانی (متوفی 593 ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ (وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا : [8]) کے تحت لکھتے ہیں: "وَهُوَ أَمَرَ بِتَطْهِيْرِ جَمِيْعِ الْبَدَنِ إِلَّا أَنَّ مَا يَتَعَذَّرُ إِيْصَالُ الْمَاءِ إِلَيْهِ خَارِجٌ عَنِ النَّصِّ" [9] اور اللہ تعالیٰ نے تمام بدن کی طہارت کا حکم دیا ہے، سوائے اُن جگھوں کے جہاں پانی پہنچانا مشکل ہے، وہ جگھیں نص سے خارج ہیں۔'' ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہوا کہ یہاں قیاس کو ترک کرکے استحسان بالنص اور استحسان بالضرورۃ کے تحت پیوست مصنوعی دانتوں کو عملِ طہارت میں اتارنا ضروری نہیں۔

---

[4] شیخ الحدیث عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ (اکوڑہ خٹک نوشہرہ: جامعہ دار العلوم حقانیہ، س ن)، 2:523۔

[5] المائدہ 5:6۔

[6] المؤمنون 23:62۔

[7] البقرہ 2:185۔

[8] المائدہ 5:6۔

[9] ابو الحسن برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الفرغانی، الہدایۃ (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن)، کتاب الطھارت، باب الوضوء، فصل فی الغسل، 1:19۔

اسی طرح پیوست مصنوعی اعضا ناک، آنکھ اور ٹانگ وغیرہ کا حکم ہے کہ انھیں ازروئے استحسان حصولِ طہارت میں نہیں اتارا جائے گا، گو قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ اُن اعضا کے ساتھ متصل جسم تک پانی پہنچائے بغیر غسل اور وضو کالعدم ہو۔ اگر اعضا بناوٹ اور وضع اس نوعیت کی ہو کہ جراحی (Operation) کے بغیر اس کو علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اُن کی حیثیت اصل عضو کی ہو گی۔ غسل میں اُس پر پانی پہنچانا واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر اعضائے وضو میں ہو تو وضو میں بھی دھونا واجب ہوگا۔ اور اگر اُن کی نوعیت ایسی ہو کہ آسانی سے علیحدہ کیے جا سکتے ہیں، تو غسل کے وقت اور اگر وضو میں ہو تو وضو کے وقت اس حصے کو الگ کرکے جسم کے اصل حصے پر پانی پہنچانا ضروری ہوگا۔[10]

بوقت ضرورت اسپرٹ و ٹنکچر وغیرہ کا استعمال

اسپرٹ و ٹنکچر وغیرہ کے بارے میں (اب تک) ڈاکٹروں کی تحقیق ہے کہ یہ "جوہرِ شراب" ہیں۔ البتہ ان میں زہر کے اجزا بھی پائے جاتے ہیں۔ جو چیز شراب ہو اس میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق کم و بیش کی کوئی تفریق نہیں ہے، کم ہوں یا زیادہ، حرام ہوں گے اور اس لیے ناپاک بھی ہوں گے۔ تو خواہ مخواہ ان کو لگانا درست نہیں اور لگ جائے تو دھونا واجب ہوگا۔ چونکہ اس کا استعمال بطورِ دوا کے ہوتا ہے اِس لیے کوئی متبادل دوا نہ ملنے یا اِس کے حاصل کرنے کی استطاعت نہ ہونے یا اِس کی تلاش تک مرض کے بڑھ جانے اور شدت اختیار کر لینے کی صورت میں اِس کا استعمال کرنا درست ہوگا۔ اِس پر دلیل علامہ شامی (المتوفی: 1252ھ) کی یہ عبارت ہے:

> يجوز للعليل شُرْبُ البول والدم والميتة للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء ه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه[11]
>
> بیمار آدمی کے لیے بول، خون اور مردار کا استعمال بطورِ دوائی جائز ہے جب کسی مسلمان ڈاکٹر نے بتایا ہو کہ اِس میں اُس مریض کی شفا ہے اور صورتِ حال یہ ہو کہ اُس کے قائم مقام بھی میسر نہ ہو۔

اور یہ ازروئے استحسان حکم ہے، ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ اِن کا استعمال درست نہ ہو، کیونکہ یہ جوہرِ شراب ہیں۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مجبوری کے وقت حرام چیزیں کا استعمال بھی مباح ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: " اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ "[12] تم پر حرام کیا گیا ہے مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا، پھر جو لاچار (مجبور) ہو نہ خواہش کرتا اور نہ حد سے بڑھتا تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے "اس ارشادِ

---

[10] خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل (راولپنڈی: مکتبہ اسلامی، 4B-، سٹی پلازہ، کالج روڈ، س ن)، 1:41۔

[11] محمد امین بن عمر عابدین الشامی، الدمشقی الحنفی، رد المحتار علی الدر المختار (بیروت: دار الفکر، الطبعۃ: الثانیۃ، 1412ھ)، کتاب البیوع، باب المتفرقات من ابوابہا، مطلب فی التداوی بالمحرم، 5:228۔

[12] النحل 16:115۔

باری تعالیٰ کی روشنی میں فقہاے کرام نے یہ مشہور ومعروف قانون وضع کیا:"الضرورات تبیح المحظورات[13] "ضرورتیں ممنوع اشیا کو بھی مباح کردیتی ہیں۔"اسپرٹ کا استعمال بعض ایسی چیزوں میں بھی ہوتا ہے، جن کا بکثرت تعامل ہے اور ہمارے زمانہ میں اِن سے بچنا بہت مشکل ہے۔مثلاً کپڑوں کے رنگ، روشنائی، رنگے ہوئے کپڑے وغیرہ ۔ایک تو اِس لیے کہ اِس کا استعمال بہت ہو گیا ہے اور "ابتلائے عام"کی صورت اختیار کرگیا ہے، جسے اصولِ فقہ کی اصطلاح میں "عمومِ بلویٰ"کہتے ہیں، یہی عمومِ بلویٰ فقہی احکام میں تخفیف کا باعث بن جاتا ہے۔یہاں یہ قانون لاگو ہوتا ہے: " ترک القیاس للعموم استحسانا. " [14] قیاس کو عموم (بلوی) کی وجہ سے استحساناً ترک کردیا جاتا ہے۔"دوسری بات اسپرٹ روشنائی وغیرہ میں پڑنے کے بعد گویا اپنی حقیقت کھودیتا ہے،اور اِس کی اصل یعنی حقیقت ہی بدل جاتی ہے اور ناپاک چیز جب اُس حدتک بدل جائے کہ اُس کی پہلی حقیقت ہی باقی نہ رہے تو اس کے بعد وہ ناپاک باقی نہیں رہتی۔[15] ارشادِ ربانی، فقہی عبارات اور فقہی قوانین کو بنیاد بناتے ہوتے قیاس کو ترک کرکے استحسان بالنص اور استحسان بالضرورۃ کے تحت اسپرٹ اور ٹنکچر وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

الکوحل آمیز دواؤں کا استعمال اور انتقالِ خون

کیا الکوحل آمیزش ادویات کا استعمال بطورِ علاج شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ جب کہ الکوحل شراب کی ہی ایک قسم ہے، اور شراب ناپاک اور حرام ہے؟ نیز ایک انسان کا دوسرے انسان کو خون دینا قرآن وسنّت کی روشنی میں کیسا ہے؟جب کہ خون ناپاک ہے اور انسان اپنے اعضا بشمول خون کا مالک نہیں ہے؟اس نوع کے سوالات کو بھی فقہانے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً علامہ غلام رسول سعیدی اس نوع کے مسائل پر فقہاے احناف کی کثیر عبارات لاتے ہیں تاکہ پیش آمدہ مسئلہ یا فقہی جزئی کی اصل حقیقت کو واضح کیا جاسکے ،وہ مذکورہ بالا مسائل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ بعض فقہانے اِس بارے میں تشدید کی ہے (یعنی قیاسی حکم لگایا ہے)، لیکن جمہور فقہاکے بیان کردہ اصول کی روشنی میں یہ امر جائز ہے اور قرآن وحدیث نے ہمیں آسانی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: " وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ "[16] اور اُس نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "

---

[13] تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین السبکی، الأشباہ والنظائر (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الأولی 1411ھ)، القاعدۃ الثانیۃ: الضرر یزال، 1:45۔

[14] اِبو بکر اِحمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی، الفصول فی الأصول (الکویت، وزارۃ الأوقاف الکویتیۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، 1414ھ)، باب القول فی ماہیۃ الاستحسان وبیان وجوہہ، 4:245۔

[15] رحمانی، جدید فقہی مسائل، 1:55۔

[16] الحج 22:78۔

فإنما بُعِثتُم مُيَسِّرِينَ، ولم تُبعَثُوا مُعَسِّرِين "[17] تم آسان احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو ،اور مشکل احکام بیان کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔"پھر جن مسائل میں قرآن ،احادیث مبارکہ اور فقہاے اسلام نے آسانی ،سہولت اور وسعت دی ہواُس شرعی سہولت کو پسِ پشت ڈال کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر دشواری اور شدت کو اختیار کرکے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دینادین کی خدمت نہیں ہے۔ مزید برآں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی ایسی تعبیرات اور تشریحات بیان کرنا جن کی واقع اور مشاہدہ میں تکذیب ہوتی ہو،جس کی وجہ سے لوگ دین سے بدگمان ہو جائیں اور دینی احکام پر اُن کا اعتماد نہ رہے، بدترین گناہ ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا[18]، حالانکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بعض امراض متعدی ہوتے ہیں اور یہ حدیث میں ہے کہ حرام چیز میں شفا نہیں ہے[19]، جبکہ الکوحل آمیز دواؤں اور خون کی بوتل لگنے سے شفا حاصل ہونا آج کی دنیا کا روزمرہ عمل ہے۔ اسی لیے علماے کرام کو قرآن اور حدیث کی ایسی تعبیرات اور تشریحات سے گریز کرنا چاہیے جو واقع اور مشاہدے کے خلاف ہوں![20] یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ علامہ سعیدی صاحب نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ استحسان کا تقاضا ہے، اگرچہ انھوں نے استحسان کا نام نہیں لیااور جو موقف اختیار کرنے پر حرج، تنگی اور مشقت واقع ہو رہی ہے، وہ قیاس کا تقاضا ہے۔

علامہ سعیدی صاحب اختیار کردہ استحسانی رائے پر دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اِس میں شک نہیں کہ سیّال خون حرام اور نجس ہے، لیکن جب خون دینے کے سوا کوئی اور طریقہ علاج نہ ہو مثلاً کسی حادثے، گولی لگنے یا آپریشن کی وجہ سے اِس قدر خون بہہ جائے کہ بغیر خون دیے مریض کا جانبر ہونا مشکل ہو، تو ایسی ضرورت اور اضطرار کے موقع پر مریض کو خون دینا جائز ہے یا کسی کو بلڈ کینسر (خون کا سرطان) ہو جس میں ایک معین عرصہ کے بعد ہر مرتبہ جسم کا پورا خون تبدیل کرنا پڑتا ہے ،ورنہ مریض مر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن مجید میں خون کا حرام ہونا بیان کیا ہے وہاں ضرورت کے وقت اس کے استعمال کا جواز بھی بیان کر دیا ہے:(1) " قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

---

[17] اِبو عبد اللہ امام اِحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، مسند الاِمام اِحمد بن حنبل، المحقق: اِحمد محمد شاکر، (القاہرۃ: دار الحدیث، الطبعۃ: الأولی، 1416ھ)، ابتداء مسند ابی ھریرۃ، 7:90، رقم الحدیث: 7254۔

[18] اِبو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجۃ، سنن ابن ماجہ، المحقق: شعیب الأرنؤوط (بیروت: دار الرسالۃ العالمیۃ، الطبعۃ: الأولی، 1430ھ)، ابواب السنہ، باب فی القدر، 1:64، رقم الحدیث: 86۔

[19] علاؤالدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی، کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1989م)، کتاب الطب والرقی والطاعون، الفصل الثانی فی المحذورات من التداوی والترہیب عن المجذوم، 10:98، رقم الحدیث: 28318۔

[20] علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، (لاہور: فرید بک سٹال، 1424ھ)، 2:831۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَاعَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ "[21] "تم فرماؤ! میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مُردار ہو یا، رگوں کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت کہ وہ نجاست ہے یا وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو ناچار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔" (2) "وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ" [22] "اور وہ تو تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا مگر جب تمھیں اس سے مجبوری ہو۔"

حرام اور ناپاک اشیا سے علاج کا ثبوت حدیث مبارک سے بھی ملتا ہے : (1) أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم رخص لعبد الرحمن والزبیر في قمص حریر من حکة کانت بهما۔ [23] "بے شک نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو خارش کی وجہ سے ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت عطا فرمائی۔"(2) عن أنس بن مالك، أن قوما من عكل - أو قال: من عرينة - قدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاجتووا المدينة، فأمر لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بلقاح، وأمرهم أن يشربوا من أبوالها وألبانها، فانطلقوا، فلما صحوا، قتلوا راعي رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ [24] "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ عکل یا عرینہ سے آئے اور انھیں مدینہ راس نہ آیا (یعنی بیمار ہوگئے) نبی کریم ﷺ نے انھیں حاملہ اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا۔ جب وہ تندرست ہوگئے تو انُھوں نے نبی کریم ﷺ کے چرواہوں کو قتل کر دیا۔" علامہ بدرالدین عینی حنفی (المتوفی: 855ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

> والاستشفاء بالحرام جائز عند التيقن بحصول الشفاء ، كتناول الميتة فى المخمصة ، والخمر عند العطش، وإساغةِ اللقمة، وإنما لا يباح ما لا يستيقن حصول الشفاء به. وقال ابن حزم: صَحَّ يَقِيْنًا أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إنما أمرہم بذلک على سبيل التداوِى من السَّقْم الذى كان أصابه، وأنہم صحت أجسامہم بذلک،والتداوى

---

[21] الانعام 145:5۔

[22] الانعام 119:6۔

[23] ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب الخراسانی، النسائی، المحقق حسن عبد المنعم شلبی (بیروت مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ: الاولی، 1421ھ)، کتاب الزینۃ، 202:8، رقم الحدیث: 9558۔

[24] ابو داود سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، المحقق: محمد محیی الدین عبد الحمید (بیروت: المکتبۃ العصریۃ صیدا، س ن) کتاب الحدود، باب ماجاء فی المحاربۃ، 130:4، رقم الحدیث: 4364۔

منزلة ضرورة وقد قال عز وجل: (اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْه[25]) فما اضطر المرء إليه فهو غير مُحَرَّمٍ عليه من المآكل والمشارب. (الى قوله)حتى إذا فرضنا أن أحدا عَرَفَ مرضَ شخصٍ بقوة العلم، وعَرَفَ أنه لا يزيله إلا بتناول المُحَرَّمِ، يباح له حينئذ أن يتناوله،كما يباح شُرْبُ الخمر عند العطش الشديد، وتناول الميتة عند المخمصة۔[26]

جب شفاء کے حصول کا یقین ہو تو حرام چیزوں سے شفاء حاصل کرنا جائز ہے جیسے شدید بھوک کے وقت مردار کھانا، شدید پیاس کے وقت اور لقمہ حلق سے نیچے اتارنے کے لیے شراب پینا جائز ہے،اور جس کو شفاکے حصول کا یقین نہ ہو اُس کے لیے حرام چیزوں سے علاج جائز نہیں ہے۔ ابن حزم نے کہا یہ بات صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیماری میں بطورِ علاج اونٹنیوں کے پیشاب پینے کا حکم دیا،اور وہ اسی علاج سے تندرست ہوگئے اور دوا بمنزلہ ضروت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سوائے اِس کے جس کی تمھیں ضرورت ہو اور انسان کو کھانے پینے کی اشیاسے جس چیز کی ضرورت ہو وہ حرام نہیں ہیں،علامہ عینی فرماتے ہیں، حتی کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ کوئی شخص اپنے علم کی قوت سے کسی شخص کا مرض جان لیتا ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ اِس کا علاج کسی حرام چیز کے استعمال میں ہے تو اُس کے لیے حرام چیز کا استعمال جائز ہو جاتا ہے، جیسے شدید پیاس کے وقت شراب پینا جائز ہے اور شدید بھوک کے وقت مردار کھانا جائز ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی مطابق دینے کی ضرورت کئی وجوہ سے پیش آ سکتی ہے ایک وجہ یہ ہے کہ کسی حادثہ کی بنا پر جسم سے بہت زیادہ خون نکل جائے جس کی وجہ سے فوری طور پر خون چڑھانے (خون دینے) کی ضرورت پڑتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جگر خون بنانا بند کردےاُس وقت انسان کو زندہ رکھنے کے لیےمسلسل خون چڑھانے (دینے) کی ضرورت پڑتی ہے۔ تیسری وجہ بلڈ کینسر (خون کا سرطان) ہے،جس میں بعض اوقات ہر ماہ جسم کا پورا خون بدلناپڑتا ہے بعض دفعہ کسی بڑے آپریشن کے بعد خون چڑھانے (دینے) کی ضرورت پڑتی ہے،البتہ محض طاقت اور توانائی حاصل کرنے لیے نہ عام طور پر خون چڑھایا جاتا ہے نہ اس کی شرعاًاِجازت ہے۔ بہر حال جب ایک مسلمان ڈاکٹر یہ بتلائے کہ اِس شخص کو اگر

---

[25] الانعام 119:6 ۔

[26] بدر الدین اِبو محمد محمود بن اِحمد العینی، عمدۃالقاری شرح صحیح البخاری (بیروت: دار إحیاء التراث العربی، س ن) ،کتاب الوضوء، باب اِبوال الابل والدواب والغنم ومرابضہا،3:154-155۔

خون نہیں دیا گیا تو اِس کی ہلاکت یا تکلیف شدید کا خطرہ ہے، تو شرعاً خون چڑھانے (دینے) کی اجازت ہے بلکہ کسی بھی ناجائز اور حرام چیز کے استعمال سے اُس صورت میں علاج کی شرعاً اجازت ہے۔"[27]

یہ تمام تر دلائل استحسانی رائے کے حق میں دیئے گئے ہیں۔ یہاں قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ حرام اور ناپاک چیزوں سے علاج جائز نہ ہو کیوں کہ حرام اور ناپاک اشیا سے انتفاع جائز نہیں۔ لیکن قرآن وحدیث نے عمومی قواعد وضوابط میں استثنیٰ پیدا فرما کر بحالتِ عذر حرام اور ناپاک چیزوں سے علاج کی اجازت عنایت فرما کر انسانیت پر احسان فرمایا، استحسان کو اختیار کرنے کی وجوہ یہ ہیں: 1۔قرآن وحدیث، 2۔ضرورت، ۳۔ عمومِ بلویٰ، ۴۔ بعض دفعہ ممنوعہ چیز کی حقیقت کا بدل جانا۔ یہاں یہ قانون ہماری رہنمائی کرتا ہے: الضرورات تُبِيحُ المحظورات [28] "ضرورتیں ممنوع اشیا کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔''

بلڈ بنک کا قیام

اسی تناظر میں بلڈ بنک قائم کرنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ صورتِ حال یہ ہے کہ انسان کسی وقت بھی مہلک بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے اور اسے خون کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہی خون اس کے لیے موزوں ہوتا ہے، جو اس کے گروپ خون سے تعلق رکھتا ہو اور بوقتِ ضرورت خون کے مناسب گروپ کے ملنے میں روزمرہ دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ نیز رضاکارانہ بنیادوں پر خون کا بروقت مہیا ہونا بسا اوقات یا بعض مخصوص حالات میں اکثر اوقات جان بچانے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسا بلڈ بنک قائم کیا جائے جس میں مختلف گروپوں کے خون کا ذخیرہ موجود ہو لیکن اس کارِ خیر میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے، تاکہ مادہ پرست لوگ اسے کاروبار نہ بنالیں۔ اس لیے بااعتماد اور مخلص لوگوں کی ضرورت ہے کیوں کہ ہمارے ہاں یہ بڑا المیہ ہے کہ اکثر اچھا کام بھی نامناسب انداز میں کیا جاتا ہے۔ الغرض استحسان بالنص، استحسان بالضرورۃ اور فقہی قوانین کی مدد سے الکوحل آمیز دواؤں کا استعمال اور انتقالِ خون کی عذر یا مجبوری کی وجہ سے اجازت ہے اگرچہ قیاس اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔

انسانی اعضا کی پیوند کاری

کسی عضو کے ناکارہ ہو جانے کی صورت میں دوسرا عضو اُس کی جگہ لگا دینا، جیسے گردہ اور آنکھ وغیرہ اعضا کی پیوند کاری کہلاتا ہے۔ [29] دورِ حاضر میں گنجے لوگ اپنے سروں پر بال لگوا لیتے ہیں، یہ بھی پیوند کاری کی معروف مثال ہے۔ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کی مختلف صورتیں یہ ہیں: 1۔ حیوان کے علاوہ کسی جماداتی یا نباتاتی شے سے مصنوعی عضو تیار کر لیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ 2۔ انسان کی بجائے کسی دوسرے حیوان (ماسوائے خنزیر) کا جزو استعمال کیا جائے، یہ صورت بھی

---

[27] سعیدی، شرح صحیح مسلم، 2:831-832۔

[28] الشاطبیؒ، الموافقات، الطرف الأول: فی الاجتہاد، 5:99۔

[29] رحمانی، جدید فقہی مسائل، 1:225۔

جائز ہے۔3۔ انسان کے اپنے ہی کسی دوسرے حصے کا کوئی عضو یا ٹکڑا اسی کو لگا دیا جائے یہ بھی جائز ہے۔4۔ایک (زندہ یا مردہ) انسان کا عضو دوسرے انسان کے لیے استعمال کیا جائے۔[30] اس صورت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
علما کے مطابق جہاں تک مسئلہ ہے خود اپنے کسی حصۂ جسم کے دوسرے حصے میں استعمال کرنے کا اِس میں کوئی اشکال نہیں ہوتا (اِس پر دلیل یہ ہے): اَلْمُنْفَصِلُ من الحی کمیتته إلا فی حق صاحبه ۔[31] "زندہ سے الگ ہونے والا جسم کا حصہ مردار ہوتا ہے، مگر اُس عضو والے کے حق میں نہیں۔" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جسم میں مضائقہ نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس طرح انسان صحت مند ہو جاتا ہے اور اِس میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا ہے۔[32]
قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک انسان کو کسی دوسرے مردہ یا زندہ انسان کا کوئی بھی عضو نہیں لگایا جاسکتا اور نہ ہی کسی عضو کو اکاٹا جائے ،تاکہ انسان کی تکریم برقرار رہے۔ اس میں اپنا عضو بھی شامل ہوگا اور دوسرے کا بھی۔ لیکن استحسان کی بنا پر بعض علما اپنے اعضا کاٹ کر لگانے کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن دوسروں کے اعضا کو کاٹ کر لگانے کو انسان کی تکریم میں فرق آنے کی دلیل سے ناجائز قرار دیتے ہیں۔استحسان کو دیکھا جائے تو دونوں سورتوں کے جواز کی صوعرت سامنے آتی ہے۔خلاصہ یہ کہ انسانی اعضا کی پیوند کاری کڑی شرائط اور خاص حالات کے پیشِ نظر استحساناً جائز ہے قیاساً جائز نہیں ہے اور فتویٰ استحسان پر ہی بنتا ہے۔

زمین کی طرح ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں بھی نماز کی ادائیگی

علامہ غلام رسول سعیدی ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کو ایک ہی حکم میں شمار کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ جن دلائل سے ٹرین میں فرض نماز پڑھنا ثابت ہے ،انھی دلائل سے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا ثابت ہے، بلکہ ہوائی جہاز میں وجۂ جواز زیادہ قوی ہے۔[33]
ائمہ اربعہ اور فقہا متقدمین کے زمانے میں ریل گاڑی اور ہوائی جہاز وغیرہ جیسے تیز رفتار سواریوں کی ایجاد نہیں ہوئی تھی لیکن ہمیں اِن کی نظائر مل سکتی ہیں، جن کی مدد سے موجودہ دور کی ایجادات کے استعمال کا شرعی حکم معلوم کرنے میں وہ نظائر مدد و معاون ثابت ہوں گی۔ چنانچہ فقیہ ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی (التوفی:1983ء) اِس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ " چلتی ریل گاڑی، چلتی کشتی کے مشابہ ہے کہ دونوں کسی جانور کے کھینچنے سے نہیں، بلکہ ہوا اور بھاپ کے ذریعہ سے چلتی ہیں اور کشتی باوجود کہ پانی کے اوپر چلتی ہے اور زمین یا کسی ایسی ٹھوس چیز پر نہیں چلتی جس پر بلاواسطہ سجدہ یا قیام ہو سکے ،مگر پھر بھی اس میں نماز فرض بھی جائز ہے، بحکمِ احادیثِ مرفوعہ و موقوفہ، مستدرک وسننِ بیہقی و دار قطنی وغیرہا،اور یہی متون

---

[30] رحمانی،جدید فقہی مسائل،1:225-227۔
[31] شامی، ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارت، باب المیاه، فرع ما یخرج من دار الحرب کسنجاب إن علم دبغه بطاهر، 1:207۔
[32] مجاہد الاسلام قاسمی، جدید فقہی مباحث (گلشن اقبال کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، س ن)، 1:216۔
[33] سعیدی، شرح صحیح مسلم، 2:407۔

وشروع وحواشی وفتاوائے فقہیہ سے ثابت ہے، بلکہ یہ امر بھی مصرَّح ہے کہ کنارہ نزدیک ہو اور اتر کر زمین پر پڑھ سکتا ہو تب بھی بیٹھ کر کشتی میں پڑھ سکتا ہے۔ کشتی رواں میں جوازِ نماز کی تعلیل فقہاے کرام نے یہ فرمائی کہ کشتی کا چلنا اس کے سوار کی طرف منسوب نہیں تو منافی نماز نہیں بخلاف جانور کے کہ اس کا چلنا حکماً سوار کا چلنا ہے۔"[34] بدائع میں ہے:

بخلاف السفینة فإنہا لم تجعل بمنزلة رِجْلَیِ الراکب لخروجہاعن قبول تصرفه فی السیر والوقوف ولہذا أُضِیْفَ سیرُہا إلیہا دون راکبہاقَالَ اللّٰہُ تَعَالَی :حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِہِم [35] وَ ھِیَ تَجْرِیْ بِہِمْ فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَال [36] فلم یَجْعَلْ تبدُّلَ مکانہا تبدُّلَ مکانِه۔[37]

بحری جہاز یا کشتی کے سوا، کیونکہ اس کا چلنا سوار کے پاؤں کے مشابہ نہیں ہوتا، کیوں کہ اثنائے میں چلنے اور ٹھہرنے کے معاملے میں وہ سوار کے بس سے باہر ہوتی ہے،اسی بنا پر اس پر اس کے چلنے کو کشتی یا بحری جہاز کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، نہ کہ اس کے سوار کی طرف، جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو اور وہ انھیں لے کر چلی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور وہ انھیں لیے جارہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ، لہٰذا بحری جہاز کا اپنی جگہ تبدیل کرنا متعلقہ فرد کا جگہ تبدیل کرنا نہ ہوگا۔

مفتی محمد نوراللہ نعیمی شیخ کاسانی (المتوفی: 587ہجری) کی مندرجہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"بناء علیه فقہاے کرام نے صاف صاف فرمادیا کہ چلتی کشتی جوازِ نماز میں بمنزلہ زمین ہے اور اپنے حق میں کمرے کی طرح ہے بدائع میں فرمایا: لأن السفینة بمنزلة الأرض [38]" اِس لیے کہ کشتی زمین کے حکم میں (قائم مقام) ہے۔بل مکانه ما استقر ہو فیه من السفینة من حیث الحقیقة والحکم[39] بلکہ سوار کی مجلس تو حقیقۃً اور حکماً وہی ہو گی کہ

---

[34] ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی، فتاویٰ نوریہ، (بصیرپور ضلع اوکاڑہ: شعبہ تصنیف وتالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، س ن)،1:210۔

[35] یونس 10:22 ۔

[36] ھود 11:42۔

[37] علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الحنفی الکاسانی (المتوفی: ۵۸۷ ہجری) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (بیروت: دار الکتب العلمیة ،الطبعة الثانیة، ۱۴۰۶ ہجری)،کتاب الصلوٰۃ، فصل فی سبب وجوب السجدۃ، 1:182۔

[38] الکاسانی، بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ، فصل ارکان الصلوٰۃ، 1:109۔

[39] الکاسانی، بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی سبب وجوب السجدۃ، 1:1182۔

جس میں اُسے جہاز پر جگہ ملی ہے۔"مبسوط میں بالفاظِ متقاربہ ہے: أن السفینة فی حقه کالبیت۔[40] "بے شک کشتی سوار کے حق میں گھر کی طرح ہے۔'لأن راکبَ الدابةِ لیس له موضعٌ قرارٌ علی الأرض و راکبَ السفینةِ له فیہا موضعٌ قرارٌ علی الأرض فالسفینة فی حقه کالبیت ألا تری أنه لا یُجْرِیہا بل ہی تَجْرِیْ به قال اللّٰہ تعالیٰ وَ ہِیَ تَجْرِیْ بِہِمْ فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَالِ[41] [42]اس لیے کہ چوپائے کا سوار !اس کے لیے زمین پر ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہوتی اور کشتی کا سوار !اس کے لیے (کشتی کی) زمین پر بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے اس لیے کشتی اس کے حق میں گھر کی طرح ہے کیا تو نہیں دیکھتا؟ سوار کشتی کو نہیں کھینچ رہا ہوتا بلکہ کشتی اسے لے کر چل رہی ہوتی ہے ،ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اور وہ انھیں لیے جارہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔

مفتی محمد نوراللہ نعیمی (المتوفی: 1983ء) ذکر کردہ عبارات کو بنیاد بناتے ہوئے لکھتے ہیں: "شمس کی طرح واضح وہویدا ہوا کہ کشتی ، کشتی سوار کے لیے بمنزلہِ زمین اور کمرے کی طرح ہے اس کا چلنامکان اور سوار کے تبدل کا موجب نہیں تو چلتی ریل، ریل سوار کے لیے بھی بمنزلہِ زمین اور کمرے کی طرح ہوگی بلکہ ریل میں تو پانی جیسا کوئی حائل بھی نہیں جس پر براہِ راست قیام وسجدہ وغیرہ نہ ہوسکے بلکہ ایسی ٹھوس پٹڑی پر چلتی ہے جو تسفلِ جبہہ کی وجہ متصور ہی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ فقہائے کرام نے بالتنصیص ایسی گاڑی پر جس کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو، جوازِ نمازِ فرائض کی تصریح فرمادی۔ بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ ماہِ نیم ماہ (چودھویں کے چاند) اور مہرِ نیم روز (دوپہر کے سورج) کی طرح واضح ہوا کہ ریل رواں میں فرض نماز جائز ہیں۔" [43]

ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز کے جواز پر مفتی محمد نوراللہ نعیمی المحیط البرہانی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ومن الأعذار إن خاف لو نَزَلَ عن الدابة علی نفسه أو علی دابته لصاً أو سبعاً أو کان فی طِین لا یجد علی الأرض مکاناً یابساً أو کانت الدابة حموماً إن نزل عنہا لا یمکنه الرکوب إلا بمعین أو کان شیخاً کبیراً لا یمکنه أن یرکب، ولا یجد من یرکبه ففی ہذہ الأحوال کلہا تجوز المکتوبة علی الدابة، قال اللّٰہ تعالی: (فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُکْبَانًا)۔[44]

---

[40] شمس الائمۃ محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی (المتوفی: 483ھ) المبسوط (بیروت: دار المعرفۃ، 1414ھ)، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی السفینۃ، 2:2۔

[41] ھود 11:42۔

[42] السرخسی، المبسوط، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی السفینۃ، 2:2۔

[43] نعیمی، فتاوٰی نوریہ، 1:210-212۔

[44] برہان الدین، محمود بن احمد البخاری الحنفی، ابو المعالی (المتوفی: 616ھ)، المحیط البرہانی (بیروت: لبنان، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الاولی، 1424ھ/2004ء)، الفصل الثالث والعشرون فی الصلاۃ علی الدابۃ، 2:55۔

اور وہ عذر جن کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے وہ یہ ہیں: کہ اگر مسافر کو اترنے میں جان کا، یا اپنے چوپائے کے چوری ہونے کا خطرہ ہو یا درندہ یا ایسی مٹی میں ہو کہ زمین پر خشک جگہ نہیں پاتا یا ایسے چوپائے پر ہو کہ اگر اُس سے سوار اُتر جائے تو معین شخص کے سوا اُس پر سوار ہونا ممکن نہ ہو یا اتنا بوڑھا ہو کہ خود سوار نہ ہو سکتا ہو اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ملتا ہو جو اُسے سوار کرے بیمار ہونے یا بیماری بڑھنے کا، یا درندہ یا دشمن کا خطرہ ہو یا اتنا کمزور ہو کہ بغیر امداد کے اتر نہیں سکتا اِن صورتوں میں فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر اگر خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار، جیسے بن پڑے۔"

ریل گاڑی اور ہوائی جہاز پر نماز کے جواز کے سلسلے میں محمد نوراللہ نعیمی اپنا مدعیٰ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور جب جانور یا اُس کی اٹھائی ہوئی چلتی گاڑی پر (نماز) جائز ہوئی تو ریل گاڑی پر بطریقِ اولیٰ جائز ہو گی وذا اَجْلیٰ مِنْ اَن یُجْلیٰ (اور وہ خود ہی زیادہ واضح ہو گیا) بلکہ مسافر ریل گاڑی کو چونکہ غالباً اِن میں سے بعض عذر اور خطرے لاحق ہوا کرتے ہیں اور اسٹیشن پر رکنے کے وقت مسافروں کا اترنا چڑھنا باعث تشویش و تعویق ہوا کرتا ہے، حالانکہ حکم بر غالب ومظنّہ عموماً لگایا جاتا ہے۔اور جب سفر جائز ہے اور انسان پابندِ حوائج وضروریات ہے اور نمازِ پنجگانہ کی ادائیگی بھی لازم، تو بحکم لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [45]"اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر "ومامَعَنَاھامن الایات والاحادیث (اور ہمارے پاس جو آیات اور احادیث ہیں) اور" وَمَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ "[46] (اور اُس نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی) ومافی مَعَنَاھااور" يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ "[47] (اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا) وغیر ھامن الایات والاحادیث ان الدین یُسْرٌ [48] (دین میں آسانی ہے) و یَسِّرُوْا ولا تُنَفِّرُوْا [49] آسانی پیدا کرو اور نفرت پیدا نہ کرو) وغیر ھا جائز ہوگا اور اسی بناء پر سفر قصر شروع ہوا، رہا ہوائی جہاز تو اِس میں بھی جائز ہے کہ کشتی کی طرح "بمنزلة الارض" کالبیت" ہے زمین اور اِس کے درمیان پانی کی

---

[45] البقرۃ2:286

[46] الحج 78:22 ۔

[47] البقرہ 185:2 ۔

[48] ابو عبداللہ محمد بن إسماعيل الجعفي البخاري (المتوفى: 256ہجری) صحیح بخاری، المحقق: محمد زهير بن ناصر الناصر، (دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422ھ)، کتاب الایمان، باب الدین یسر، 16:1، رقم الحدیث: 39۔

[49] إبو بكر محمد بن هارون (المتوفى: 307ھ) مسند الرویانی، المحقق- إيمن علي إبو يماني (القاہرۃ: مؤسسة قرطبة ، الطبعة: الأولى، 1416ھ)، ماروی إبو بردۃ بن إبي موسى عن إبيه، 328:1، رقم الحدیث: 499۔

طرح ایک ایسا عنصر ہے، جو خود تو قیام وغیرہ کے قابل نہیں مگر جو اِس پر اڑ رہا ہے وہ قابل ہے۔[50] تو ثابت ہوا کہ زمین کی طرح ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں بھی نماز کی ادائیگی استحسان بالنص اور استحسان بالضرورۃ کے تحت درست ہے۔

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ نماز درست نہ ہو کیونکہ اس میں سجدہ کی حقیقت موجود نہیں ہے سجدہ کی تعریف یہ ہے: "وهو وضع الجبهة على الأرض" [51] سجدہ در حقیقت اپنی پیشانی کو زمین پر رکھنے کا نام ہے اور یہاں زمین موجود نہیں ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے حکم میں ہر وہ جگہ ہے جہاں انسان چل پھر رہا ہو لہٰذا ریل گاڑی مسافر کے لیے ریل کا فرش اور ہوائی مسافر کے لیے ہوائی جہاز کا فرش زمین کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسری وجہ وہ دلائل ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔

خلاصۂ بحث

اس مقالے میں عصرِ حاضر کے چند اہم مسائل کے حل میں دلیلِ استحسان سے استفادے کی صورتیں بیان کی گئی ہیں، اور ساتھ ساتھ قیاس کا تقاضا اور مدعیٰ بھی تحریر کر دیا گیا ہے، اور تمام احکام کو مضبوط ومدلّل انداز میں لکھنے کی بھر کوشش کی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر قیاس پر عمل کیا جائے تو فلاں فلاں ضرر، قباحت اور فساد لازم آتا ہے۔ اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولِ استحسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم نعمت ہے، جو اقویٰ دلائل کی مدد سے امتِ مسلمہ کے جدید پیش آمدہ مسائل کا حل سرتا پا حُسن وجمال سے لبریز اور مدلّل انداز میں پیش کرتا ہے۔ موجودہ تیز ترین سائنسی ترقی کے زمانے میں استحسان کی ضرورت واہمیت مزید بڑھ گئی ہے، کیوں کہ استحسان کا طریقۂ استدلال اور خوب صورت انداز ماضی کی طرح حال میں بھی مقبولِ عام ہے۔ چوں کہ عصرِ حاضر میں استحسان کی طرف التفات نہ ہونے کے برابر ہے اور معاصر فقہی مسائل کو استحسان کی مدد سے حل کرنے کی طرف توجہ کی شدید ضرورت ہے، اس مقصد کی خاطر عصری مسائلِ فقہ کو احناف کے مشہور و معروف شرعی مآخذ "**استحسان**" کو بطورِ دلیل بناتے ہوئے کچھ شرعی احکام کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ شرعی حدود وقیود میں رہ کر استحسان کے ذریعے امتِ مسلمہ سے مشقت، حرج اور ضرر کو ختم کر کے آسانی اور سہولت فراہم کرنے کے حوالے سے اہم حقائق سامنے لائے جاسکیں۔

---

[50] نعیمی، فتاویٰ نوریہ، 1:208-212۔

[51] زين الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الحنفي الرازي (المتوفى: 666ھ) مختار الصحاح، (بيروت: المكتبة العصرية، 1999م /1420ھ)، مادة: س، ج، د، 142۔